سلسلہ وار

تعلیمی تربیتی وفکری

بچوں کا

مشرب ناب

شمارہ ۴

متاب پبلیکیشنز

فہرست

بچوں کے معصومانہ سوال اور ہمارا جواب	2
مثلِ پیغمبر صلیٰ اللّٰہ علیہ والہ وسلم	3
ماں کی دعا (حضرت فاطمہ زہرا سلام اللّٰہ علیہا)	5
خلیفہ کی سواری کا احترام (حکمتِ علی علیہ سلام)	6
بولنے والا درخت (منافقت از نظرِ قرآن)	7
اللّٰہ کے دوست (آدابِ اسلامی)	11
حضرت محمد صلیٰ اللّٰہ علیہ والہ وسلم	14
اندر کا دشمن(وحدت اور اتحاد)	21
لڑائی کا انجام	24
قرآنی قصّے(سلسلہ وار)	25
بہادر سپاہی(سید حسن نصر اللّٰہ)	28

کتاب حاصل کرنے، اور مزید معلومات کے لئے

kids.mashrabenaab.com

پر رجوع کریں۔

بچوں کے معصومانہ سوال اور ہمارا جواب

خدایا! تو کون ہے؟

اے میرے بندے! میں اس کائنات کا
بنانے والا ہوں، میں تمام چیزوں کا خالق ہوں۔
میں نے ہی پہاڑ، صحرا، چاند، سورج، ستارے،
سیارے، درخت، سمندر، دریا اور سب چیزیں بنائی ہیں۔
میں ہی زمین کو سورج کے گرد اور چاند کو زمین کے گرد گھماتا ہوں۔
بادلوں کو میں نے ہی بنایا اور پودوں کو اُگایا۔
زمین سے پھول اور سبزیاں اُگائیں، ہزاروں انبیاء میرے ہی بارے
میں بات کرتے رہے ہیں اور لوگوں کو میری عبادت کی
دعوت دیتے رہے ہیں۔ میں خدا ہوں، وہ خدا جو تمہارا
دوست ہے۔ میں خدا ہوں! تمہارا خدا اور تمام انسانوں کا خدا

خدایا! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ تو سچ مچ ہے؟

اگر تم کبھی ایسی جگہ پر جاؤ، جہاں برفباری ہوئی ہو
اور زمین پر بہت ساری برف موجود ہو، یا کسی
ریگستان، مٹی والی جگہ پر جاؤ جہاں مٹی ہی مٹی ہو،
وہاں اگر تمہیں پاؤں کے نشانات بنے نظر آئیں تو سمجھ جاؤ گے
کہ یہاں سے ابھی کوئی ضرور گزرا ہے۔ اب تم جو اس دنیا میں
اتنی ساری چیزیں دیکھتے ہو، چاند، ستارے، درخت، پہاڑ، صحرا، سمندر،
سورج وغیرہ تو کیا تمہارے ذہن میں سوال نہیں آتا کہ انہیں
کسی نے بنایا ہے؟ جی ہاں ان سب چیزوں میں میری نشانیاں ہیں،
یعنی انہیں دیکھ کر سمجھ سکتے ہو کہ میں موجود ہوں۔

مثلِ پیغمبر صلیٰ اللہ علیہ والہ وسلم

اذان کے بعد جلد ہی نمازی، نماز کے لیے صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ جو نمازی بھی آتا وہ نماز جماعت کی کسی نہ کسی صف میں کھڑا ہو جاتا۔ سب لوگ نماز جماعت شروع ہونے کے انتظار میں تھے۔

اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمیشہ کی طرح آپؐ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ آپؐ نے نمازیوں کی لمبی صف پر ایک نظر ڈالی اور قبلہ رخ ہو کر نماز کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ نماز کی نیت کے ساتھ ہی نمازیوں کے دلوں کو قرار آ گیا۔ مسجد میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ ہر نمازی دل و جان سے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خوبصورت آواز سن رہا تھا۔

اللّٰهُ أَكْبَرُ...

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ رسولِ خداؐ کی خوبصورت آواز تھی جو نماز جماعت شروع ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ....

مسجد میں ایسی خاموشی چھائی تھی کہ نمازیوں کے سانس لینے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سورہ حمد کی آیات بڑے آرام اور انتہائی پُر سکون انداز سے تلاوت فرما رہے تھے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دل میں اُترنے والی آواز مسجد کے در و دیوار سے ٹکرا کر نمازیوں کے دلوں میں اُتر رہی تھی۔ سب نمازی خداوند عالم کی عبادت میں مصروف تھے۔

اچانک دوسری رکعت میں صورت حال تبدیل ہو گئی۔ جس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور نمازیوں میں وہ پہلے کی طرح کا اطمینان و سکون باقی نہ رہا۔

تمام نمازیوں نے محسوس کیا کہ رسولِ خداؐ نماز جلدی مکمل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ نمازی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس انداز پر حیران تھے۔

آج نماز معمول سے ہٹ کر جلدی مکمل ہو گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نماز کی تعقیبات بھی چھوڑ دیں تھیں۔

رسولِ خداؐ جلدی سے اُٹھے۔ رسولؐ کے چہرے پر پریشانی نظر آرہی تھی اور ہونٹوں سے ہمیشہ نظر آنے والی مسکراہٹ بھی غائب تھی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تیزی کے ساتھ مسجد سے باہر تشریف لائے۔ آپؐ کے ساتھ کوئی دوسرا نمازی نہیں تھا، لیکن تمام نمازی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی جلد نماز مکمل کرنے اور پریشانی کی وجہ جاننے کے لیے بے چین تھے۔ نمازی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نماز کی باقی رکعتیں تیزی کے ساتھ کیوں ادا کیں؟

- آج پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جلدی میں نماز کیوں تمام کی؟
- ہمیشہ کی طرح آج نماز کے بعد دعا کیوں نہیں پڑھی؟
- اتنی تیزی کے ساتھ باہر جانے کی کیا وجہ تھی؟

اس قسم کے بہت سے سوالات نمازیوں کے ذہنوں میں گھوم رہے تھے لیکن کسی کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔

تمام نمازیوں کی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں اور اب تو ان کا انتظار بھی کافی زیادہ ہو گیا تھا۔ آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسجد میں واپس تشریف لائے۔ ایک مرتبہ پھر ہمیشہ کی طرح کی مسکراہٹ اُن کے چہرے پر تھی۔

نمازی رسولِ خداؐ کے پاس آئیں اور اپنے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات رسولؐ کے سامنے بیان کئے۔ رسول خداؐ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "کیا نماز کے دوران آپ لوگوں کو کسی بچے کے رونے کی آواز نہیں آرہی تھی؟"

تمام نمازی سمجھ گئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بچے کو دلاسہ دینے کے لیے جلدی جلدی نماز مکمل کی تھی۔

وہ بچہ جو نماز کے وقت اپنی ماں سے جُدا ہو گیا تھا، واپس مسجد میں آچکا تھا۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا مثلِ پیغمبرؐ۔

ماں کی دعا

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

شبِ جمعہ تھی۔ ماں قبلے کی طرف منہ کیے ہوئے اللہ کی عبادت میں مصروف تھیں اور بچہ ماں کے منہ سے نکلنے والے ہر جملے پر کان لگائے ہوئے تھا۔ چھوٹی سی عمر ہونے کے باوجود وہ ماں کے رکوع و سجدے اور قیام کو بڑی توجہ کے ساتھ دیکھتا رہا۔ وہ کان لگائے سن رہا تھا کہ اس کی ماں تمام مسلمان مرد و عورتوں کے لیے اچھی اچھی دعائیں کر رہی تھیں۔ وہ ایک ایک کا نام لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان سب کی نیکی و بھلائی کی دعا مانگتی ہے۔ بچہ ماں کی دعا پر کان لگا کر سن رہا تھا کہ وہ اللہ سے اپنے لیے کیا مانگتی ہے؟

امام حسن علیہ اسلام رات بھر جاگتے رہے اور اپنی ماں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سلام کو غور سے دیکھتے رہے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں ماں اللہ سے اپنے لیے کیا دعا کرتی ہیں اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے کیا مانگتی ہے؟

رات گزر گئی اور ان کی ماں ساری رات دوسرے مسلمان مرد اور عورتوں کے لیے دعا کرتی رہیں۔

مختصر یہ کہ عبادت و دعا میں صبح ہو گئی مگر امام حسن علیہ السلام نے ماں کو خود کے لیے دعا کرتے ہوئے نہ سنا۔ اس لیے انھوں نے صبح ہوتے ہی ماں سے سوال کیا: "ماماجان! میں رات بھر کان لگائے سنتا رہا مگر آپ اللہ تعالیٰ سے صرف دوسروں کے لئے دعا کرتی رہیں۔ آخر آپ نے اپنے لئے کوئی دعا کیوں نہیں مانگی؟"

ماں نے بچے کو پیار بھرے لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے نہایت مختصر سا جواب دیا: "میرے پیارے بیٹے! پہلے پڑوسی اور ہمسایہ بعد میں اپنا گھر۔"

خلیفہ کی سواری کا احترام

(حکمتِ علی علیہ سلام)

حضرت علی علیہ السلام کوفے کی طرف آرہے تھے۔ راستے میں وہ شہر انبار میں داخل ہوئے جہاں زیادہ تر لوگ ایرانی تھے۔

ایرانی کسانوں اور شہر انبار میں زندگی بسر کرنے والے تمام دوسرے لوگوں کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان کا پسندیدہ خلیفہ اس بستی سے ہو کر گزرے گا۔ سبھی لوگ اپنے خلیفہ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے جیسے ہی حضرت علی علیہ السلام کی سواری آگے بڑھی، اُن لوگوں نے اس کے آگے آگے دوڑنا شروع کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی سواری روک دی اور ان لوگوں کو بُلایا اور پوچھا۔ "آخر تم سب لوگ اس طرح کیوں دوڑ رہے ہو؟ تمہاری اس دوڑ بھاگ کا مقصد کیا ہے؟"

ان لوگوں نے ہاتھ جوڑ کر گزارش کی "دراصل یہ ہمارا خاص افراد کے احترام کا ایک پُرانا طریقہ ہے کہ اپنے پسندیدہ رہنما اور اچھی شخصیتوں کا اس انداز سے احترام کریں۔ یہ کوئی بدعت نہیں بلکہ اس علاقے کی پرانی رسم ہے۔"

حضرت علی علیہ سلام نے ان لوگوں سے کہا:

"ایسے کام ہرگز مت کیا کرو جس سے تمہاری ذلت ورسوائی ہوتی ہو اور آخرت میں بھی تمھیں اس کے بدلے مشکلات برداشت کرنی پڑیں۔"

پھر تم خود ہی غور کرو کہ تمہارے اس عمل سے تمہارے اس امیر یا آقا کو کیا فائدہ ہوتا ہے جس کے احترام کی خاطر تم یہ سب کچھ کرتے ہو۔"

پیارے بچو! امامؑ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے ہماری دنیا میں بھی ذلت اور رسوائی ہو اور آخرت میں بھی ہمیں شرمندگی کا سامنہ کرنا پڑے۔

اور یہ فرمان نہج البلاغہ کی حکمت نمبر ۳۷ میں موجود ہے:

امام علی علیہ اسلام فرماتے ہیں:

وَاللہِ! مَا یَنْتَفِعُ بِھٰذَا اُمَرَاؤُکُمْ، وَاِنَّکُمْ لَتَشُقُّوْنَ بِہٖ

عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ فِیْ دُنْیَاکُمْ، وَتَشْقَوْنَ بِہٖ فِیْٓ اٰخِرَتِکُمْ،

وَمَآ اَخْسَرَ الْمَشَقَّۃَ وَرَآءَھَا الْعِقَابُ،

وَاَرْبَحَ الدَّعَۃَ مَعَھَا الْاَمَانُ مِنَ النَّارِ

خدا کی قسم! اس سے تمہارے حکمرانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔ البتہ تم اس دنیا میں اپنے آپ کو مشکل میں ڈالتے ہو اور آخرت میں اس کی وجہ سے بدبختی حاصل کرتے ہو۔ وہ محنت کتنی نقصان دہ ہے جس کا نتیجہ آخرت میں سزا ہو، اور وہ راحت کتنی فائدہ مند ہے جس کا نتیجہ دوزخ سے امان (نجات) ہو۔

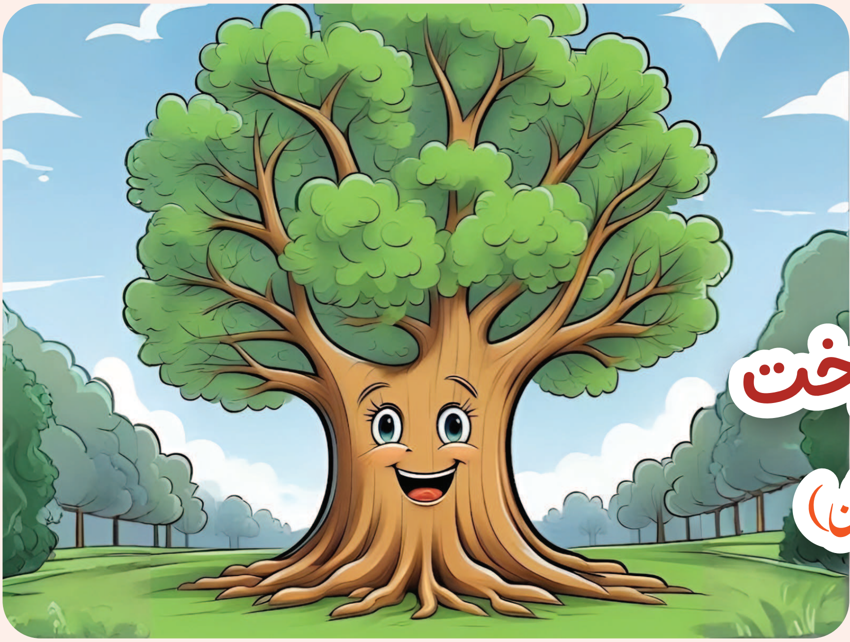

بولنے والا درخت

(منافقت از نظرِ قرآن)

زین جنگل میں تھا کیوں کہ اس کو پھل جمع کرنے تھے۔ وہ بہت بھوکا تھا اس لیے وہ وہیں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے کچھ پھل کھائے اور کچھ جمع کر لیے۔ جب وہ گھر جانے لگا تو اس نے غور کیا کہ درخت کے تنے کے نچلے حصے میں سوراخ ہے۔

اس نے اپنا سر اس سوراخ کے اندر ڈالا پھر اوپر دیکھا تو اس کو کھلا آسمان نظر آیا۔ درخت کافی کھوکھلا تھا۔ وہ درخت کے کھوکھلے تنے میں کود گیا۔ درخت کے دوسری طرف بھی سوراخ تھا۔ اس نے وہاں سے باہر کی طرف دیکھا۔

"یہ کتنی اچھی جگہ ہے چھپنے کی۔" وہ تیز آواز میں بولا

"کوئی بھی مجھے باہر سے یہاں نہیں دیکھ سکتا۔"

اس کی آواز جنگل میں گونج رہی تھی زین نے درخت کے اندر جا کر نئی آواز میں بولنے کی کوشش کی جیسے کوئی درخت بول رہا ہو۔ اپنی ہی بھاری آواز سن کر وہ بہت خوش ہوا پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے لیکن پھر اس نے سنا کوئی باتیں کرتے ہوئے اس کی طرف آ رہا ہے۔ وہ اس آواز کو جانتا تھا۔ یہ اکبر اور عالیان کی آوازیں تھیں۔

وہ ایک ہی اسکول میں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی کلاس میں پڑھتے بھی تھے۔ اکبر نے پھر کچھ عجیب سی آوازیں نکالنا شروع کر دی۔

"اوہ!!! عجیب سی آواز یہی سے آ رہی تھی"۔ اکبر نے کہا۔ "لیکن میں نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا، کیا تم نے دیکھا عالیان؟"

" نہیں۔" عالیان نے جواب دیا۔ "مجھے نہیں لگتا کہ جنگل میں کوئی انسان ہو سکتا ہے۔"

ادھر زین ان کی باتوں کے دوران درخت کے اندر چھپا رہا۔ جب وہ دونوں خاموش ہو گئے تو وہ آہستہ مگر بھاری آواز میں بولا:

"اکبر اور عالیان تم میری زمین پر کیا کر رہے ہو؟"

تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہیں آیا پھر اکبر نے ڈرتے ہوئے پوچھا" یہ کس نے کہا؟"

"میں بولنے والا درخت ہوں۔" زین نے کہا :

"ہر چیز جو جنگل میں ہے وہ میری ہے اور جب تک تم یہاں ہو تمھیں میرا ہر حکم ماننا ہو گا۔ اگر تم نے میرا حکم نہیں مانا تو میں تمہارے گھر

آکر، جب تم سو رہے ہو گے، تمھیں پکڑ لوں گا۔ اب جاؤ اور میرے لیے کچھ کھانے کے لیے لے کر آؤ۔"

"ٹھیک ہے، اے بولنے والے درخت! "

عالیان نے لرزتے ہوئے کہا: "ہم تمھارے لیے تازہ پھل ڈھونڈتے ہیں اور ابھی لا کر دیتے ہیں۔"

زین ہنسا اور ان دونوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

اکبر اور عالیان چند منٹوں کے بعد لوٹ کر آئے تو ان کے ہاتھ تازہ پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے سارے تازہ پھل درخت کے کھوکھلے تنے میں ڈال دیے۔

"یہ بہت اچھے پھل ہیں۔ اے اچھے درخت!" عالیان بولا: "ہم امید کرتے ہیں کہ تمھیں یہ پھل پسند آئیں گے۔"

"تم دونوں نے بہت اچھا کام کیا۔" زین نے جواب دیا: "اب تم دونوں گھر جاؤ لیکن یاد رکھو تم نے میرے اور اس جگہ کے بارے میں اگر کسی کو بھی بتایا تو میں تمھیں مینڈک میں بدل دوں گا۔ تم دونوں روز صبح سویرے اسکول جانے سے پہلے میرے لیے تازہ پھل لا کر دو گے۔

اب جاؤ!!۔۔۔۔"

جب تک اکبر اور عالیان چلے نہیں گئے زین نے وہیں انتظار کیا پھر وہ درخت سے نکل گیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ "اگر اکبر اور عالیان کو پتہ چل گیا کہ بولنے والا درخت کون ہے تو وہ بہت غصہ ہوں گے۔" اس نے سوچا۔ وہ تو بہت ڈر گئے تھے۔ ڈرپوک ہی ہی ہی....!" زین بلند آواز سے ہنسنے لگا۔

اگلی صبح کا وقت تھا۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔

زین جلدی اٹھ گیا اور کھوکھلے تنے والے درخت کی جانب بڑھنے لگا۔

رات کو بہت تیز بارش ہوئی تھی، جس کی وجہ سے زمین پر ہر طرف پانی تھا۔ زین لمبے لمبے قدم اُٹھاتا ہوا درخت کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر وہ درخت تک پہنچ گیا اور اس کے سوراخ کے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ اکبر اور عالیان کا انتظار کرنے لگا۔

ابھی چند منٹ گذرے ہوں گے کہ اسے دور سے اکبر اور عالیان درخت کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔

انھوں نے ایک بڑا سا تھیلا اور ایک جوس کا گلاس اٹھایا ہوا تھا۔ وہ چیزیں انھوں نے درخت کے سوراخ میں ڈال دیں۔

زین نے بھاری آواز میں کہا: "بہت شکریہ لڑکو، اب تم اسکول جاؤ لیکن کل آنا ہرگز مت بھولنا۔"

اکبر اور عالیان چہل قدمی کرتے ہوئے واپس جا رہے تھے کہ اچانک عالیان رکا۔ اس نے اکبر کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ سوچ کر بولا: "مجھے نہیں لگتا کہ یہ کوئی بولنے والا درخت ہے۔ کیا تم نے وہ نشان نہیں دیکھے جو مٹی پر تھے، وہ کسی انسان کے لگتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی درخت کے اندر چھپا ہوا ہے اور ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔"

"نہیں میں نے غور نہیں کیا۔"

اکبر نے کہا: "لیکن میرا خیال ہے کہ ہم چھپ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کوئی اس راستے سے واپس تو نہیں جا رہا۔"

چند منٹوں بعد انھوں نے دیکھا کہ زین گنگناتا ہوا اس راستے سے آ رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کھانے سے بھرا ہوا تھیلا اور جوس کا گلاس تھا۔

"اف ف ف....! یہ زین تھا۔" اکبر حیرت زدہ رہ گیا۔

"کیا ہم اس پر کودیں اور اس کو ڈرائیں؟" اس نے عالیان سے پوچھا۔

"ابھی نہیں ...!" عالیان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میرے پاس اس سے بہتر آئیڈیا ہے۔ آؤ میرے ساتھ ---" عالیان کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔

عالیان بھاگتا ہوا کھوکھلے درخت کے پاس پہنچا۔ اکبر بھی اس کے پیچھے چلا۔ وہ بہت احتیاط سے پیروں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے آخر کار درخت کے سوراخ تک پہنچ گئے اور ان کو سمجھ آ گیا کہ زین نے ان کو کیسے بیوقوف بنایا۔

دوپہر کے وقت تک اسکول ختم ہو گیا تھا، اکبر اور عالیان جنگل میں گئے اور دو بڑی اور کچھ چھوٹی لکڑیاں تلاش کیں۔ پھر انھوں نے ان لکڑیوں کو سیڑھی بنانے کے لیے استعمال کیا۔ اس کے بعد دونوں نے وہ سیڑھی جھاڑیوں میں چھپا دی۔

اگلی صبح زین دوبارہ درخت کے سوراخ میں جا کر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا۔ اچانک اکبر اور عالیان درخت کے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔

"صبح بخیر اے اچھے دوست-----"

اکبر بولا: "میں نے تمھارے لیے پھلوں کا جوس خریدا ہے۔ میں درخت کے اوپر چڑھ جاتا ہوں اور تمھارے منہ میں جوس اُلٹ دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں! ایسا نہیں کرنا۔ "زین چلایا "تم اسے سوراخ کے قریب رکھ دو۔"

لیکن اکبر تیار تھا وہ سیڑھی پر چڑھ کر درخت کے اوپر پہنچ گیا۔ پہلے وہ ہنسا اور پھر اس نے پورا جوس زین کے اوپر اُلٹ دیا۔

زین کھانسا اور چیخا۔

"کوئی میری مدد کرو۔۔۔۔"

اب عالیان کی باری تھی۔

عالیان کے پاس ایک بڑا برتن تھا جو سنہرے تیل سے بھرا ہوا تھا۔

عالیان نے وہ تیل بھی زین کے سر پر انڈیل دیا۔

زین نے بہت کوشش کی کہ وہ اس کو ہٹالے لیکن وہ بہت چکنا تھا۔ زین اب پھلوں کے جوس اور تیل میں ڈوب گیا۔

"چلے جاؤ!" وہ چیخا۔ اب تم دونوں کو دوبارہ بولنے والے درخت کے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" زین نے شدید غصے سے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے زین۔" اکبر نے شرارت سے کہا: "ہم تمہارا حکم مانیں گے۔"

اکبر اور عالیان جنگل سے باہر جانے لگے اور وہ دونوں شرارتی ہنسی ہنس رہے تھے۔

دیکھا بچو! اگر کوئی کسی کے ساتھ منافقت کرتا ہے اور اسے اپنا دوسرا چہرہ دکھا کر اسے دھوکا دیتا ہے تو ایک دن اسے اس دھوکا دینے کی سزا ضرور ملتی ہو اور اسے نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ

"(وہ لوگ) خدا اور اہل ایمان کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے۔ مگر انہیں اس کا (احساس) نہیں ہے۔" (سورہ البقرۃ آیت ۹)

اللہ کے دوست

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ایک دفعہ پھر بیسٹ اسٹوڈینٹ آف دی ائیر کا ایوارڈ قاسم کے نام ہوا۔ قاسم خوشی خوشی انتہائی ادب کے ساتھ اسٹیج کی طرف بڑھا اور ایوارڈ حاصل کیا اور اس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کے والدین کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

قاسم پڑھائی میں ایک نارمل طالب علم تھا مگر یہ ایوارڈ اسے ملنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی سکول میں حاضری ریگولر رہتی تھی۔ تمام ٹیچرز اور دوستوں کے ساتھ ہمیشہ احترام سے پیش آتا تھا۔ پڑھائی کے علاوہ دیگر ایکٹویٹیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور سب سے اہم اس کی صفائی ستھرائی تھی جو اس کی کاپی، کتابوں، یونیفارم، جوتوں اور خود اس کی شخصیت کو نکھارتی تھی۔

قاسم کے ماں باپ اگرچہ کوئی بہت زیادہ امیر کبیر خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے مگر ان کے یہاں اخلاقیات کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کی والدہ ہمیشہ اسے اچھی چیزوں کی تعلیم دیتی تھیں اور والد بھی محنت کے ساتھ حلال کمائی کرتے تھے اور اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔

اتوار کا دن تھا اور قاسم اپنے دوست کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا کیونکہ آج اس کے دوست ضامن کو اس کے ساتھ کھیلنے گھر آنا تھا۔

قاسم کے گھر کا صحن بڑا تھا اور وہ دونوں یہاں بہت مزے سے کبھی پکڑم پکڑائی اور کبھی چھپن چھپائی کھیلتے اور کبھی سائیکل بھی چلاتے۔

آج تو دونوں نے مل کر کیاری میں نئے پودے بھی لگائے۔ اور اس کام کو بہت انجوائے کیا۔

"قاسم، ضامن۔۔۔ آؤ بیٹا۔۔ دونوں بہت تھک گئے ہو، کب سے کھیل رہے ہو، کچھ کھا لو پھر مغرب کی اذان ہو جائے گی۔" یہ قاسم کی امی تھیں جو آلو کے چپس اور پاپڑ تل کر لائی تھیں۔

ضامن بے اختیار کھانے کی طرف بڑھا کیونکہ چپس اس کے پسندیدہ تھے۔

مگر قاسم نے فوراً کہا" رکو بھائی، پہلے ہاتھ تو دھولیں۔ صاف ہاتھوں سے کھائیں گے تاکہ جراثیم ہم سے دور رہیں اور اللہ بھی ہم سے خوش رہے۔"

قاسم کے ابو، حسن صاحب صحن میں لگے واش بیسن میں ہاتھ منہ دھو رہے تھے اور پھر جب کنگھی کرنے لگے تو ضامن بولا: "انکل! اتنا تیار ہو کر کیا آپ کہیں جارہے ہیں؟" اس معصومانہ سوال پر قاسم کے والد بے اختیار مسکرادیے۔

"جی، بالکل، ہم ایک بہت بڑی شخصیت سے ملاقات کو جارہے ہیں، اسی لیے تیار ہو رہے ہیں۔ جب آپ بھی کہیں آتے جاتے ہیں تو کیا کرتے ہیں ضامن؟؟" قاسم کے والد نے پیار سے پوچھا۔

ضامن نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا: "میں تو سب سے پہلے منہ ہاتھ اور پیر دھوتا ہوں، دانت صاف کرتا ہوں، کپڑے تبدیل کرتا ہوں اور بال بناتا ہوں تاکہ اچھا بچہ نظر آؤں۔"

"ارے واہ! کیا آپ کو پتہ ہے کہ آپ تو خدا کے دوست ہیں!!" قاسم کے ابو نے ضامن کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا!!!!!؟ کیا ایسا واقعی میں ہو سکتا ہے؟؟" ضامن نے حیرانی سے پوچھا۔

حسن صاحب نے جواب دیا: "بالکل! قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

"اچھا انکل بتائیں نا کہ آپ کونسی بڑی شخصیت سے ملنے جارہے ہیں؟ پلیز مجھے بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔ قاسم، انکل سے کہو نا کہ ہم دونوں کو ساتھ لے چلیں۔" ضامن کے لہجے میں تجسس اور درخواست صاف نظر آرہی تھی۔

"بیٹا، اذان کا وقت ہو رہا ہے اور ہم مسجد میں خدا کی بارگاہ میں جارہے ہیں۔ کیا آپ کو پتہ ہے مسجد جاتے ہوئے کونسی زینت کا خیال رکھنا چاہیے؟ "

انکل ! زینت کسے کہتے ہیں؟" ضامن نے پوچھا۔

"یعنی وہ کام جو عمل کو خوبصورت کردیں جیسا کہ ہمیں باوضو ہو کر جانا چاہیے۔" قاسم نے فوراً جواب دیا۔

"اچھا اور اسی طرح ہمیں خوشبو لگا کر اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر جانا چاہیے۔" ضامن نے مزید کہا۔

"ایک چیز ایسی ہے جو آپ دونوں ہی بھول گئے! جسے آئمہ معصومینؑ نے زینت کہا ہے۔۔ اور وہ ہے بالوں کو کنگھی کرنا۔" حسن صاحب نے مزید وضاحت کی۔

"کیا بالوں میں کنگھی کرنا بھی اس قدر اہمیت رکھتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟" ضامن کو یہ بات کچھ زیادہ سمجھ نہیں آئی اس لیے اس نے انکل سے سوال کیا۔

انہوں نے جواب دیا: "پیارے بیٹے، کنگھی کرنے کے نہ صرف یہ کہ ظاہری فائدے ہیں بلکہ اس کی اپنی برکات بھی ہیں۔"

اب ضامن کا شوق مزید بڑھ گیا۔ انکل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"کنگھی کرنے سے نہ صرف ہم صاف ستھرے اور خوبصورت دکھائی دیتے ہیں بلکہ اس کے طبی فوائد بھی ہیں۔ اس سے ہمارے دماغ کو بہتر آکسیجن ملتی ہے اور بال مضبوط ہوتے ہیں۔ اور بیٹھ کر بالوں میں کنگھی کرنے سے ہمارا دل بھی مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سے بلغم کا خاتمہ ہوتا ہے۔"

قاسم نے سوال کیا: "بابا! اس کی برکتیں کیا ہوتی ہیں؟"

حسن صاحب نے بتایا کہ "بالوں کو سنوارنے سے انسان کا رزق بڑھتا ہے اور اس کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔"

ضامن نے کہا: "انکل! آپ نے ہمیں بہت اچھی باتیں بتائی ہیں۔ میں اپنے بہن بھائیوں کو بھی یہ اچھی باتیں بتاؤں گا اور اب مزید صاف ستھرا رہنے اور کنگھی کرنے کی عادت کو پختہ کروں گا تاکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاؤں۔"

قاسم کے والد نے جواب دیا: "ان شاء اللہ۔ کیوں نہیں، ہمیں نہ صرف مسجد جاتے ہوئے بلکہ اپنی روزانہ کی زندگی جیسے اسکول، گھر، کھیل کے میدان اور ہر جگہ صحت وصفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

اور پھر دونوں دوستوں نے حسن صاحب کا اتنی اچھی باتیں بتانے پر شکریہ ادا کیا اور ان پر عمل کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ولادت

جس سال ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ میں ولادت ہوئی اس سال کو "عام الفیل" (یعنی ہاتھیوں کا سال) کہا جاتا ہے (کیونکہ اسی سال ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی کوشش کی تھی اور خدا نے ننھے ننھے پرندوں کے ذریعے اس کے ہاتھیوں کو کنکریاں مار کر بالکل بھوسے کی طرح کر دیا تھا)

ہمارے پیارے نبی کے والد کا نام حضرت "عبد اللہ" اور والدہ کا نام حضرت "آمنہ" تھا۔

آپؐ نے عرب کے جس قبیلے میں آنکھ کھولی اس کا نام "قریش" تھا، جس کی عزت آپؐ کے اس دنیا میں آنے سے بلندیوں پر پہنچ گئی۔ آپؐ کی ولادت کے وقت آپؐ کی عظمت کی وجہ سے بعض انتہائی حیرت انگیز واقعات ہوئے۔ جس وقت آپؐ اس دنیا میں تشریف لائے اس وقت:

- ایک نور مکہ کی زمین کی طرف سے بلند ہوا اور مشرق کی جانب پھیل گیا، تمام بُت منہ کے بل گر پڑے،
- دنیا کے تمام بادشاہوں کے بولنے کی صلاحیت ختم ہو گئی اور وہ رات ہونے تک اسی حال پر قائم رہے،
- شہنشاہ ایران کے عظیم الشان محل میں ایسا لرزہ طاری ہوا کہ اس کے چودہ ستون گر گئے،

ایران میں آگ کی عبادت کرنے والوں کا آتش کدہ جو ایک ہزار سال سے روشن تھا، اچانک بجھ گیا،

- نجومی جو ستاروں سے حساب کرتے تھے، ان کا سارا علم بے فائدہ اور جادوگروں کا جادو بے اثر ہو گیا۔

یہ ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا۔

بچپن

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے بابا اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ عربوں کا رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو پرورش کے لیے صحرا میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کو بی بی "حلیمہ سعدیہ" کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ بہت ہی نیک اور پرہیز گار خاتون تھیں اور ان کا خاندان مکہ سے باہر ایک صحرا میں رہتا تھا۔ جب وہ ننھے بچے کو لے کر اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہوئیں تو ان کے گھر اور قبیلے پر خدا کی رحمتوں اور نعمتوں کی بارش شروع ہو گئی۔

تقریباً پانچ سال تک حضرت محمدؐ دائی حلیمہ کے پاس رہے۔ پھر آپؐ اپنی ماں کے پاس تشریف لے آئے۔ آپؐ کی عمر چھ سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپؐ کی ماں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد آپؐ کے دادا جناب "عبد المطلب" نے بہت زیادہ محبت سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرورش کی۔ وہ قریش کے سردار اور قبیلہ "بنی ہاشم" کے سربراہ (لیڈر) تھے۔

لڑکپن

آپؐ ابھی نو سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپؐ کے دادا حضرت عبد المطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے ہی آپؐ نے حضرت محمدؐ کی پرورش کی ذمہ داری اپنے عزیز بیٹے جناب "ابو طالب" کے سپرد کر دی تھی۔

حضرت ابو طالب اپنے پیارے بھتیجے محمدؐ کو اپنے گھر لے آئے۔ وہ ساری زندگی اُن کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ حضرت ابو طالب سفر پر بھی حضرت محمدؐ کو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ حضرت محمدؐ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ چاہتے تھے۔ کبھی کبھی تو، رات کو ان کی جگہ اپنے بیٹوں کو لٹا دیتے تا کہ اگر رات کے وقت کوئی دشمن حملہ کرے تو بے شک بیٹے کی جان چلی جائے مگر رسولِ خداؐ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

زمانۂ جاہلیت

اس زمانے میں سرزمینِ عرب کے لوگ بہت بُری زندگی گزارتے تھے:

- وہ ذرا ذرا سی بات پر لڑ پڑتے اور پھر کئی برس تک جنگیں کرتے رہتے۔
- ایک دوسرے کا مال لوٹ لینا اور لوگوں کو قتل کرنا ان کا معمول تھا۔
- جہالت کا یہ عالم تھا کہ وہ بیٹیوں کو ذلت سمجھتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ تو بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔
- وہ لوگ حرام اور ناپاک غذا کھاتے اور ہر وقت بُرائیوں میں مصروف رہتے تھے۔
- اس زمانے میں ہر قبیلے کا ایک الگ بُت ہوتا تھا، جس کی وہ قبیلے والے عبادت کرتے تھے۔

اسی لیے اس دور کو "زمانۂ جاہلیت" کہا جاتا ہے۔

اسی زمانہ میں خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے وقت، حجر اسود کو لگانے کے لئے تمام قبیلوں میں بہت زیادہ جھگڑا ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے ایک چادر میں حجر اسود کو رکھ کر تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ اس چادر کو کناروں سے اُٹھا کر اونچا کرو، پھر آپؐ نے اپنے ہاتھوں سے حجر اسود کو

اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح مکہ میں بہت بڑی جنگ ہونے سے رُک گئی۔ یہ عام الفیل کا ۳۰واں سال تھا۔

حضرت خدیجہؑ سے شادی

اس زمانے میں مکہ میں ایک مشہور اور مالدار خاتون رہتی تھیں جن کا نام "خدیجہ" تھا۔ وہ بہت نیک اور پاکیزہ خاتون تھیں۔ وہ تجارت کے لیے اپنا سامان دوسرے شہروں میں بیچا کرتی تھیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی چند بار جناب خدیجہؑ کا تجارتی سامان دوسرے شہروں میں لے جا کر بیچا۔ اسی لیے وہ آپؐ کی ایمانداری اور شرافت سے بہت متاثر ہوئیں۔ پھر انہوں نے ہمارے پیارے نبیؐ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، جسے آپؐ نے قبول کر لیا۔

حضرت خدیجہؑ ساری زندگی نبی اکرمؐ کی بہترین ساتھی اور ہمدرد ثابت ہوئیں۔ وہ اسلام قبول کرنے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کو پھیلانے کے لیے پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کر دی۔ آپ کی عفت وحیا اور تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ زمانہِ جاہلیت میں بھی آپ کو "طاہرہ" کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بابرکت بیٹی کی نعمت عطا کی جن کا نام "فاطمہ زہرا" تھا۔ جب تک حضرت خدیجہؑ زندہ تھیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کسی اور سے شادی نہیں کی۔

نبوت کا آغاز (بعثت)

ہمارے پیارے نبیؐ اکثر اوقات شہر مکہ کے قریب واقع ایک پہاڑ پر چلے جاتے تھے، جس کا نام "جبل النور" تھا۔ آپ اس پہاڑ کی بلندی پر واقع ایک چھوٹے سے غار میں بیٹھ کر تنہائی میں اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اس غار کا نام "غارِ حرا" تھا۔ ایک مرتبہ آپؐ روزانہ کی طرح غارِ حرا کے اندر عبادت میں مصروف تھے کہ فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل علیہ سلام آپؐ کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ آپؐ نبوت کے کام کا باقاعدہ آغاز کر دیں۔

اسی کے ساتھ انہوں نے قرآن مجید کی کچھ آیات بھی آپؐ تک پہنچائیں۔ "سورہ علق" کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"پڑھو اپنے رب کے نام سے،
جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے خلق کیا۔
پڑھو کہ تمہارا پروردگار سب سے برتر ہے،
جس نے قلم سے تعلیم دی اور
انسان کو وہ سب سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات تھیں۔

اس واقعے کو "بعثت" یعنی آغاز نبوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے بعد سے رسالت کے کاموں کا آغاز ہو گیا۔

وہ ۲۷ رجب کی شب تھی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عمر مبارک ۴۰ سال تھی۔

خفیہ (پوشیدہ) تبلیغ

پورے عرب کے اندر اس وقت بُت پرستی کا دور دورہ تھا۔ وہ اپنے جاہلانہ رسم ورواج کی خاطر لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ اس لیے پیغمبر اکرمؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کا عمل خفیہ طور پر یعنی چُھپ کر شروع کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے مخلص اور جانثار ساتھیوں کو جمع کیا جائے جو آنے والے خطرات میں ساتھ دے سکیں۔ اس دور میں آپؐ لوگوں کے ساتھ چُھپ کر ملتے اور ان تک اسلام کا پیغام پہنچاتے۔ یہ "خفیہ تبلیغ" تین سال تک جاری رہی۔

ان تین برسوں میں چالیس لوگ آپؐ کے پیغام پر ایمان لائے۔ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؑ اور خواتین میں نبی اکرمؐ کی ہمدرد زوجہ حضرت خدیجہؑ نے اسلام کا اظہار کیا۔ اس ابتدائی دور میں ایمان لانے والے لوگ ایک دوسرے سے چُھپ کر ملتے تھے۔ وہ پہاڑوں کے اوپر یا غاروں کے اندر نماز باجماعت ادا کرتے۔

حضرت ابو طالب اپنے بھتیجے کی اس خفیہ دعوت کو جانتے اور دل ہی دل میں ان کو خدا کا سچا پیغمبر مانتے تھے۔ وہ اپنے بیٹوں حضرت علیؑ اور حضرت جعفر کی اسلام سے محبت پر بہت خوش ہوتے اور اپنے بچوں کو پیغمبر اکرمؐ کی بات ماننے کا حکم دیا کرتے تھے۔

علی الاعلان تبلیغ

تین برسوں کی خفیہ تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان تبلیغ کا حکم دیا۔ یہ حکم قرآن مجید میں سورۂ حجر کی آیت ۹۴، ۹۵ میں موجود ہے۔ جس کے بعد رسولؐ نے پہلے اپنے رشتے داروں اور پھر مکہ کے مشرکوں کو مخاطب کر کے انہیں اللہ کی وحدانیت اور اپنی نبوت کی طرف دعوت دی۔

آپؐ نے انہیں بُت بنانے اور بتوں کی عبادت کرنے سے روکا۔ آپؐ نے انہیں خوش خبری دی کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں گے تو پوری دنیا کے لوگوں کی سرداری پائیں گے اور آخرت میں بھی انہیں جنت میں بھیجا جائے گا۔

مشرکوں نے پیارے نبی اکرمؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور انہیں (نعوذ باللہ) دیوانہ، شاعر اور جادوگر کہنے لگے۔ انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے محسوس کیا کہ اب مسلمانوں کے لئے مزید ظلم سہنا بہت مشکل ہو گیا ہے تو آپ نے تقریباً ۱۰۰ مسلمانوں کو "حبشہ" کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

تمام تر ظلم وستم کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی تبلیغ جاری رکھی تو مشرکوں کا ایک گروہ حضرت ابو طالب کے پاس گیا اور ان سے شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا ہمیں بے وقوف سمجھتا ہے اور ہمارے خداؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ آپ اسے روکیں یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم اسے قتل کر دیں۔

حضرت ابو طالب نے کافروں کو سختی سے جواب دیتے ہوئے کہا:
"ہم اپنی آخری سانس تک محمدؐ کی حمایت کریں گے اور ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔"

غم کا سال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مسلمانوں پر مشرکوں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔

ابو سفیان، ابو لہب، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جیسے مشرکوں کے سردار اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ چونکہ وہ لوگوں کو بُت پرستی اور جہالت سے بھرپور مذہب کے نام پر بے وقوف بنا کر خوب لوٹتے تھے، اس لیے وہ دینِ اسلام کو اپنی دولت اور سرداری کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے تازہ مسلمان ہونے والوں پر ہر قسم کا ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا، جس میں ان کو مارنا، قتل کی دھمکیاں دینا، گالیاں دینا، تہمتیں لگانا، بات چیت اور خرید و فروخت بند کرنا یہاں تک کہ انھیں شہر مکہ سے باہر نکالنا اور ان سے لین دین پر پابندی لگانا شامل تھا۔ ایسے میں بعثت کے دسویں سال آپ کے دو اہم ترین حامی حضرت ابو طالب اور بی بی خدیجہؑ کا انتقال ہو گیا۔

اسی سال کو "سال حزن" یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔ یوں مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر مزید ظلم کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کے ظلم و ستم کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور مسلمانوں کو صبر کرنے کا کہتے رہے۔ ادھر شہر "یثرب" سے وقتاً فوقتاً چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں لوگ آتے اور آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے جاتے تھے۔

ہجرت

آخر کار کفار مکہ کے تمام قبیلے "دارالندوہ" میں جمع ہوئے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ جب تک حضرت محمدؐ کی ذات پاک موجود ہے، وہ کسی بھی طرح اس پیغام کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اسی لئے ابو جہل کے کہنے پر انھوں نے ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی کو منتخب کر کے ان سب کو آپؐ کے قتل کے لیے بھیجا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس سازش کی اطلاع اپنے محبوب نبیؐ کو پہلے سے دے دی، اور ہمارے نبیؐ مکہ سے یثرب کی جانب چلے گئے اور وہیں رہنے لگے۔ یہ ۱۶ ربیع الاول جمعہ کا دن تھا۔ اس سفر کو "ہجرت مدینہ" کہا جاتا ہے۔

اسلامی حکومت کا قیام اور جنگیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہجرت کے بعد یثرب کو "مدینۃ النبی" (نبی کا شہر) کہا جانے لگا۔ وہاں کے لوگوں نے مکہ سے آنے والے مسلمان مہاجروں کی بہت زیادہ مدد کی، اس لیے انہیں "انصار" کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مہاجروں اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

مدینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہر بات سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اس لیے ہمارے نبیؐ کو دین کی تبلیغ کا بہتر موقع ملا۔ اللہ کے رسولؐ نے مدینہ میں "اسلامی حکومت" قائم کی۔ اس کا مرکز "مسجد نبوی" تھا، جہاں روزانہ دور دور سے لوگوں کے گروہ آپ سے ملنے آتے اور اللہ کا کلام سننے کے بعد اسلام قبول کر لیتے۔

مدینہ منورہ میں سچے مسلمانوں کے علاوہ ایسے لوگ بھی رہتے تھے جنہوں نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ایسے لوگوں کو "منافق" کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں یہودی بھی بستے تھے۔ مکہ کے کافروں کے علاوہ مدینہ کے یہودی اور منافق بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ وہ اسلام کی دن بدن بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور جنگ کرنے کے لیے آئے۔ لیکن مخلص صحابہ کرام اور باوفا مسلمانوں خاص طور پر حضرت علی علیہ السلام کی جانثاری کی وجہ سے تقریباً ہر جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور اسلام کا پیغام پورے عرب میں ہر طرف پھیلنے لگا۔

بیعتِ رضوان

مدینہ منورہ کے ارد گرد کے کئی علاقے مسلمان ہو گئے لیکن مکہ مکرمہ پر اب بھی کفار قریش کا قبضہ تھا۔ لہٰذا ہجرت کے ٦ سال کے بعد ذیقعد کے مہینے میں رسولِ خداؐ نے حج کے ارادے سے مکہ کا رخ کیا۔ مکہ کے کافروں کو جب خبر ملی تو انھوں نے مکہ سے پہلے ایک میدان میں انھیں روک دیا۔ اس میدان میں "حدیبیہ" نامی ایک کنواں تھا۔ اس مقام پر آپ نے اپنے اصحاب سے جانثاری کی بیعت لی جسے "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے۔

صلحِ حدیبیہ

دشمن چونکہ مسلمانوں سے جنگ کر کے انہیں روک نہیں سکتا تھا، اس لیے انھوں نے صلح میں ہی اپنی سلامتی جانی۔ دونوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہ کرنے پر صلح نامہ تحریر ہوا۔ اس صلح کو "صلح حدیبیہ" کہتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کو بے حد فائدہ ہوا کیونکہ اس کے مطابق اب مسلمان آزادی سے مکہ آ جا سکتے تھے اور مکہ میں قرآن کی تلاوت اور اللہ کے رسولؐ کا نام لینے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس طرح اور زیادہ لوگ مسلمان ہونے لگے۔

خطوط

اب اسلام عربوں میں تیزی سے پھیل چکا تھا، اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عربستان کے باہر دینِ اسلام کو پھیلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آپؐ نے ایک مُہر بنوائی جس پر "محمد رسولُ اللہ" لکھا ہوا تھا اور سنہ ٧ ہجری میں دنیا کی چار بڑے ممالک کے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خط لکھے۔ یہ چار بڑی سلطنتیں مصر، روم ایران اور حبش تھیں۔

فتحِ مکہ

صلحِ حدیبیہ کے ایک سال بعد ہی کفار مکہ نے صلح نامے کی خلاف ورزی شروع کر دی اور ایک قبیلے کو بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ اس طرح جنگ بندی کا صلح نامہ ختم ہو گیا اور رسول اللہ سنہ ٨ ہجری میں دس ہزار

مسلمانوں کو جمع کر کے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر قریش خوفزدہ ہو گئے اور انھوں نے جنگ کے بغیر ہی اپنی ہار تسلیم کر لی۔ کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر بڑے ظلم و ستم کیے تھے اور انہیں وہاں سے نکلنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے بہت سے مسلمان چاہتے تھے کہ کفار سے بدلہ لیا جائے۔ لیکن "رحمت للعالمین" یعنی اللہ کے مہربان رسولؐ نے کسی سے بدلہ نہیں لیا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے واپس مدینہ تشریف لے گئے۔

جانشینی کا اعلان

ہجرت کے دسویں سال ہمارے پیارے نبیؐ اللہ کے حکم سے حج کرنے گئے۔ اس سال ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے حج کے عظیم اجتماع میں شرکت کی۔ حج ادا کرنے کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی جانب لوٹ رہے تھے تو نبی اکرمؐ نے "غدیرِ خم" کے مقام پر تمام حاجیوں کو روک کر اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق حضرت علی علیہ سلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اس کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"جس کسی کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"میں تم لوگوں کے درمیان دو قیمتی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرا میرے اہل بیتؑ۔ جب تک تم ان دونوں کا دامن تھامے رہو گے، ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔"

یہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن تھا۔

وفاتِ پیغمبرؐ

اس آخری حج کے چند دنوں بعد اللہ کے محبوب اور ہمارے پیارے نبیؐ بیمار ہو گئے۔

آپ نے اپنا آخری وقت قریب ہونے کے سبب اصحاب سے کاغذ اور قلم منگوایا اور فرمایا کہ میں ایک ایسی تحریر لکھ دوں گا جو تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گمراہی سے بچا لے گی لیکن چند افراد نے یہ کہہ کر کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے، کاغذ اور قلم دینے سے انکار کر دیا۔ اس واقعے کے چار دن بعد ۲۸ صفر کو بروز پیر آپؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ رحلت کے وقت آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔ آپ کو مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

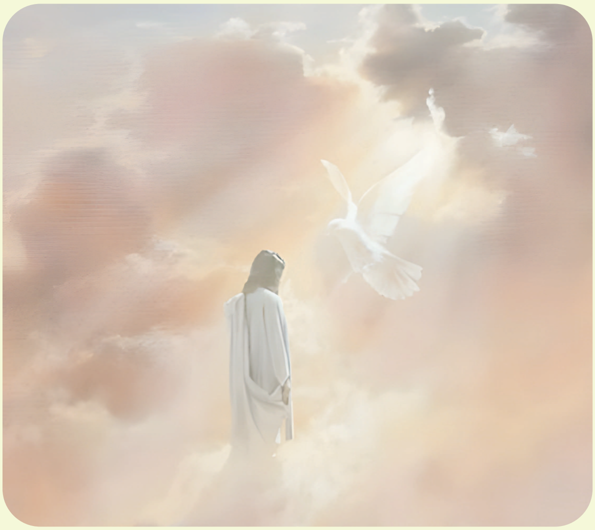

اندر کا دشمن

(وحدت اور اتحاد)

عارف، شہزاد اور منیر تینوں بھائی تھے اور آج وہ بہت خوش تھے کیونکہ آج انھیں اپنی نانی جان کے گھر جانا تھا۔ منیر سب سے چھوٹا تھا تو اس نے پہلے ہی نانی جان سے فرمائش کر دی تھی کہ ہم آ کر کیک کھائیں گے۔۔۔

تینوں بھائی صبح ہی جلدی اٹھ کر تیار ہو گئے، ان کے بابا گاڑی میں ان تینوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جوں ہی یہ تینوں گاڑی کے پاس پہنچے۔

منیر نے کہا" میں آگے بیٹھوں گا۔"

شہزاد نے کہا" میں بڑا ہوں، میں آگے بیٹھوں گا۔"

منیر اور شہزاد لڑ ہی رہے تھے کہ عارف بھاگتا ہوا آیا اور جلدی سے آگے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس سے پہلے کہ شہزاد اور منیر عارف سے بھی لڑنا شروع کرتے اتنے میں ان کے بابا نے کہا" جلدی سے بیٹھ جاؤ ورنہ میں کسی کو بھی لے کر نہیں جاؤں گا۔"

دونوں بھائی پچھلی سیٹ پر غصے میں بیٹھ گئے۔

نانی کے گھر پہنچتے ہی تینوں نے سلام کیا اور پھر نانی جان نے تینوں کو سلام کا جواب دیتے ہوئے باری باری گلے لگایا۔

منیر اور شہزاد کا منہ لٹکا دیکھ کر نانی جان نے کہا" میرے بیٹوں! کیا ہوا؟"

عارف ہنستے ہوئے بولا" نانی جان! یہ دونوں گاڑی میں آگے بیٹھنے کی ضد کر رہے تھے اور لڑ رہے تھے اتنے میں میں آگے آ کر بیٹھ گیا۔" عارف یہ بتانے کے بعد پھر سے ہنسنے لگا۔

نانی جان نے کہا" چلو بس اندر چلو، میں نے آپ تینوں کے لیے آج کیک بنایا ہے۔ جوں ہی عارف، منیر اور شہزاد ڈائننگ ٹیبل کے پاس پہنچے۔ کیک دیکھ کر پھر تینوں پہلے کیک کاٹنے کے لیے لڑنے لگے۔

عارف نے کہا" پہلے میں کیک کاٹوں گا۔"

شہزاد فوراً بولا" پہلے کیک کاٹنے سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔"

منیر نے بھی آگے بڑھتے ہوئے کہا" نانی جان! اس مرتبہ پہلے میں کیک کاٹوں گا، پچھلی مرتبہ بھی مجھے کیک کاٹنے کا موقع نہیں ملا تھا۔"

نانی جان تینوں لڑکوں کو لڑتا ہوا دیکھ کر کہنے لگی "ارے بابا! تم تینوں بیٹھ جاؤں میں خود کیک کاٹ کر آپ لوگوں کو الگ الگ پلیٹ میں نکال کر دیتی ہوں تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔"

اتنے میں گھر میں پلی ہوئی بلی نے آکر چھلانگ لگائی اور اپنے پنجوں سے سارا کیک خراب کر دیا، یہاں تک کہ کیک کو کھانے کو قابل بھی نہیں چھوڑا۔

نانی جان بچوں کو چھوڑ کر بلی کو بھگانے لگی، لیکن بلی تب تک سارا کیک خراب کر کے جا چکی تھی۔

اب تو نانی جان کو بھی غصہ آگیا کیونکہ انہوں نے بہت محنت سے کیک بنایا تھا جو کھانے کے بجائے لڑائی میں بلی کی نظر ہو گیا۔

نانی جان ناراض ہو کر غصے میں صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ جب تینوں نے دیکھا کہ ہماری لڑائی کی وجہ سے نانی جان ناراض ہو گئی ہے تو نانی جان کے پاس آکر سوری کرنے لگے۔

نانی جان نے بہت پیار بھرے لہجے میں کہا "اگر آپ تینوں ایسے ہی لڑتے جھگڑتے رہے تو کل کو آپ تینوں کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور دوسرے آپ کی اس لڑائی سے فائدہ بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ اپنے اندر وحدت اور اتحاد پیدا کرو تاکہ کوئی آپ لوگوں کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

" نانی جان! یہ وحدت اور اتحاد کیا ہوتا ہے؟" منیر نے فوراً سوال کیا۔

نانی جان نے کہا وحدت اور اتحاد یہ ہے کہ آپ تینوں ایک ہو کر زندگی گزارو اور بغیر لڑائی کیے ہر کام مل جل کر پیار اور محبت سے کرو۔۔۔ چلو میں آپ تینوں کو وحدت اور اتحاد سمجھانے کے لیے ایک کہانی سناتی ہوں۔۔۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک کسان جس کے چار بیٹے تھے وہ چاروں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، کسان اپنے بیٹوں کی وجہ سے بہت پریشان رہتا تھا کہ اگر میں اس دنیا میں نہ رہا تو یہ تینوں تو لڑتے رہیں گے اور میری فصلوں پر کوئی اور قبضہ کر لے گا۔ جب کسان بہت بیمار رہنے لگا اور بہت پریشان بھی تو پھر اس نے ایک ترکیب سوچی اور اس نے بہت ساری لکڑیوں کو اکٹھا کیا اور ان کو باندھ دیا اس کے بعد اس نے اپنے چاروں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اب تم لوگ ایک ایک کر کے اس پوری لکڑی کے گٹھے کو توڑ کر دکھاؤ۔ پہلے ایک بیٹے نے بہت کوشش کی مگر وہ نہ توڑ سکا پھر دوسرے بیٹے نے کی کوشش تو وہ بھی نہ توڑ سکا، تیسرے اور چوتھے بیٹے نے بھی کوشش کی تو وہ دونوں بھی نہ توڑ سکے، کیونکہ لکڑی کا گٹھا بہت مضبوط تھا۔ پھر اس کے بعد کسان نے کہا کہ اس لکڑی کے گٹھے میں لگی گرہ کو کھول دو۔

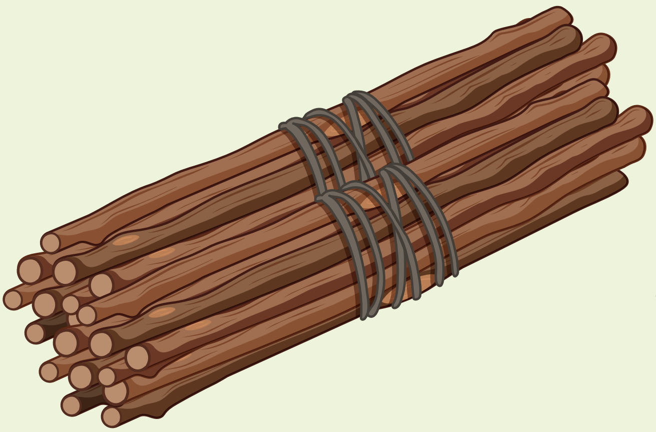

جیسے ہی گرہ کھولی ساری لکڑیاں بکھر گئیں اور پھر کسان نے کہا کہ اب چاروں بھائی ایک ایک لکڑی کو توڑ کے دکھاؤ۔ ایک بیٹے نے ایک لکڑی توڑی، دوسرے نے دوسری، تیسری نے تیسری اور چوتھے نے چوتھی لکڑی توڑ کے دکھادی۔ اب کسان نے اپنے بیٹوں سے سوال کیا "تم چاروں نے اس سے کیا سبق حاصل کیا؟" بیٹوں نے کہا کہ ابا جان آپ ہی ہمیں بتایئے؟

پھر کسان نے کہا" دیکھو جب لکڑیاں ایک ساتھ تھیں تو تم میں سے کوئی بھی اسے نہیں توڑ سکا لیکن جو ہی ان کو الگ الگ کیا تو تم لوگوں نے توڑ دیا۔ اس سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ اگر تم چاروں بھائی مل کے رہو گے تو کوئی بھی تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا لیکن اگر تم لڑتے جھگڑتے رہے اور الگ الگ رہے، اپنے دل میں نفرتیں رکھتے رہے تو کوئی بھی آکر تمہیں توڑ سکتا ہے اور نقصان پہنچا سکتا ہے اور تمہاری چیزوں پر قبضہ کر سکتا ہے۔۔۔"

منیر چونکہ شرارتی تھا کہانی سننے کے بعد کہنے لگا "نانی جان! اگر ان لکڑیوں کے گھٹے میں کیڑے گھس جائے تو وہ تو تمام لکڑیوں کو اندر سے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔۔ ہاہاہا۔۔۔"

نانی جان بھی مسکرائی اور کہا "منیر بیٹا! تمہارے اس مذاق میں بہت گہرائی بھی ہے۔ اکثر اوقات لکڑیاں گھٹا بن کر بظاہر تو مضبوط ہو سکتی ہے لیکن اگر ان کے درمیان میں خطرناک کیڑے گھس جائے تو اندر سے تمام لکڑیوں کو تباہ کر دیتے ہیں، لیکن اگر یہی لکڑیاں تراشی ہوئی ہو یعنی ان لکڑیوں کی کٹائی اور سائز ایک جیسی ہوں تو نہ صرف اس گھٹے کو توڑنا ناممکن ہو گا بلکہ اس کو اندر سے بھی کوئی کیڑا داخل ہو کر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ عارف نے فوراً کہا" کیونکہ لکڑیوں کے اندر داخل ہونے کے لیے کیڑوں کے پاس کوئی جگہ ہی نہیں ہو گی۔۔۔"

نانی جان: "بلکل درست سمجھا۔۔۔"

شہزاد نے کہا" تو کیا نانی جان اب سے ہم بھی ایک جیسا قد کریں اور ایک جیسے کپڑے بھی پہنے؟"

نانی جان ہلکا سا مسکرائی " ارے نہیں بیٹا! ہم سب کو بھی ایک ہونا ہے مل جل کر رہنا ہے مگر ہم بھی اگر ان لکڑیوں کی طرح تراشے ہوئے ہو تو ہمیں اندر سے بھی کسی دشمن کا خطرہ نہیں ہو گا۔

شہزاد: "تراشے ہوئے؟؟ مگر کیسے۔۔۔۔؟؟

" وہ اس طرح کہ بظاہر بھی مل جل کر رہے اور اپنے اندر یعنی دل کو بھی گناہوں سے پاک اور صاف کرے۔ غصہ، نفرت، بغض، حسد، کینہ کچھ نہ رکھیں بلکہ دل میں ایک دوسرے کے لیے پیار و محبت پیدا کریں۔ کیونکہ محبت سے رہنے والوں کو خدا بھی پسند کرتا ہے اور انہیں کوئی بھی نہیں توڑ سکتا۔" نانی جان نے کہا۔

" اچھا نانی جان! ہمیں معاف کر دیجیے، اب سے ہم تینوں مل جل کر رہیں گے اور دل سے ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔۔۔

لڑائی کا انجام

گھنے جنگل میں ایک دلدل کے قریب برسوں سے ایک چوہا اور ایک مینڈک رہتے تھے۔ بات چیت کے دوران ایک دن مینڈک نے چوہے سے کہا، "اس دلدل میں میرا خاندان صدیوں سے آباد ہے اور اسی لئے یہ دلدل جو مجھے باپ دادا سے ملا ہے، میری میراث ہے۔"

چوہا اس بات پر چڑ گیا۔ اس نے کہا، "میرا خاندان بھی یہاں سینکڑوں سال سے آباد ہے اور مجھے بھی یہ جگہ اپنے باپ دادا سے ملی ہے اور یہ میری میراث ہے یعنی اب یہ میری ملکیت ہے۔"

یہ سن کر مینڈک غصے میں آگیا اور تو تو میں میں شروع ہوگئی۔ بات اتنی بڑھی کہ ان کی دوستی میں فرق آگیا اور دونوں نے ایک دوسرے سے بولنا چھوڑ دیا۔

ایک دن چوہا وہاں سے گزرا تو مینڈک نے اس پر آواز لگائی، جو چوہے کو بہت بُری لگی۔

اس کے بعد چوہے نے یہ کیا کہ وہ گھاس میں چھپ کر بیٹھ جاتا اور جب مینڈک وہاں سے گزرتا تو اس پر حملہ کرتا ہے۔

"مرد ہے تو سامنے میدان میں آتا کہ کھل کر مقابلہ ہو اور تجھے میری قوت کا پتہ چلے۔"

چوہے نے یہ بات قبول کرلی اور دوسرے دن صبح ہی صبح مقابلے کا وقت مقرر ہوا۔

مقررہ وقت پر ایک طرف سے چوہا نکلا۔ اس کے ہاتھ میں پودے کا ایک لمبا تنکا تھا۔ دوسری طرف سے مینڈک آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایسا ہی تنکا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر زبردست حملہ کیا اور پھر ذرا سی دیر میں دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔

ابھی یہ لڑائی جاری تھی کہ دور ہوا میں اُڑتی ہوئی ایک چیل نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنے آپ سے کہا "یہاں تو ایک چوہا اور ایک مینڈک آپس میں مسلسل لڑ رہے ہیں کیوں نہ اس لڑائی سے فائدہ اُٹھایا جائے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اُڑتی ہوئی نیچے آئی اور ایک جھپٹے میں دونوں پہلوانوں کو اپنے تیز، نوکیلے پنجوں میں دبا کر لے گئی۔ اب وہاں چوہا ہے نہ مینڈک۔ دلدل اب بھی موجود ہے۔

دیکھا بچو! لڑائی کا انجام۔ لڑائی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس سے دشمن ہمیشہ فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس لیے ہمیں کبھی بھی لڑائی نہیں کرنا چاہیے۔

(سلسلہ وار)

قرآنی قصّے

طالوت اور جالوت

روزانہ نماز مغرب کے بعد بچے امام مسجد سے قرآن کی قرات سیکھنے جاتے۔ امام مسجد قرات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں موجود قصّے بھی بچوں کو سناتے جس کے وجہ سے بچے قرآن دلچسپی سے پڑھ اور سمجھ رہے تھے ۔

آج مولانا صاحب نے نمازِ مغرب کے بعد قرآن پڑھایا اور پھر کہا: "پیارے بچو! آج میں جو قصہ آپ کو سنانے والا ہوں آپ نے بہت کم پڑھا اور سنا ہو گا۔"

بچوں نے قرآن مجید بند کر کے احترام کے ساتھ ایک طرف رکھے اور امام کی بات توجہ سے اور غور سے سننے لگے۔

امام صاحب: تو بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جو دونوں تھے تو بادشاہ لیکن ایک نیک اور اچھا بادشاہ تھا اور دوسرا ظالم اور بُرا تھا۔

بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اپنی اپنی رائے دینے کے لیے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے۔ کسی نے کہا فرعون اور شدّاد ظالم بادشاہ تھا اور کسی نے کہا حضرت موسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ نیک بادشاہ تھے۔

امام صاحب: "بچو! سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ کیا آپ نے کہیں طالوت اور جالوت کا واقعہ نہیں سنا؟"

سب بچے خاموش ہو گئے اور سوالیہ نظروں سے امام کی طرف دیکھنے لگے۔

امام صاحب: (جو کہ اپنے شاگردوں کی خاموشی کو سمجھ چکے تھے) نے کہا "بچو! طالوت اور جالوت دونوں بادشاہ تھے جالوت "بربر" قوم کا بادشاہ فلسطینی جنگجو تھا۔

جو سر سے پاؤں تک لوہے کا جنگی لباس پہنتا تھا اس نے سب سے پہلے بنی اسرائیل کی قوم پر حملہ کیا۔

احمد: "امام صاحب! تو کیا کسی نے ان کا مقابلہ نہیں کیا یا سب اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ؟"

امام صاحب: "جب ظالموں اور ستم گروں نے بنی اسرائیل کی قوم کی سرزمین پر قبضہ کر لیا اور ان کے تبرکات (قیمتی چیزیں) بھی اپنے قبضے میں کر لی تو اس وقت یہ قوم صحرائے سینا میں دربدر بھٹک رہی تھی۔ ظلم وستم سے تنگ آ کر انہوں نے وقت کے نبی (تاریخ کے مطابق سموئل تھے) سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی لیڈر مقرر کیا جائے تاکہ ہم اپنی سرزمین واپس لے سکیں۔

ارسلان: "امام صاحب! وقت کے نبی نے کس شخص کو لشکر کا سردار بنایا ہو گا؟ مجھے لگتا ہے وقت کے نبی خود ہی سرداری کے لیے بہتر ہوں گے ؟"

امام صاحب: "نہیں بیٹا! نبی کوئی بھی کام اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے۔ وقت کے نبی نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ پھر اللہ کے حکم سے طالوت نام کے نوجوان کو لشکر کا سردار بنالیا۔"

پھر مولانا صاحب نے کہا" جالوت کا لشکر ہزاروں کی تعداد میں تھا لیکن طالوت کے لشکر میں صرف ۳۱۳ افراد تھے۔

(بچے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے) مبین نے فوراً سوال کیا "تو امام صاحب! اتنے لوگوں نے وقت کے نبی سے درخواست کی تھی پھر لیڈر کے ساتھ صرف ۳۱۳ افراد کیوں تھے ؟

امام صاحب: (مبین کی ذہانت پر بہت خوش ہوئے) اور کہا "بیٹا! آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ بالکل ایسا ہی تھا۔ دراصل جب طالوت کا لشکر روانہ ہوا تو چلتے چلتے تھک گیا۔ ان کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ خدا نے ان کا صبر کا امتحان لینا تھا، راستے میں ایک نہر گزری۔ سب پانی پینے کے لیے آگے بڑھے تو طالوت نے منع فرما دیا اور کہا" خدا کا حکم ہے کہ اس نہر سے پانی نہ پیا جائے۔ اگر پینا ہے تو صرف ایک ہاتھ میں جتنا پانی لے سکتے ہیں اس سے نہ لیں۔"

جو صبر کرنے والے اور ہمت والے تھے انہوں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک چلو پانی لے کر پیا، ان کی تعداد صرف اور صرف ۳۱۳ تھی اور یہی لوگ کامیاب رہے اور جنہوں نے نبی اور خدا کی بات نہیں مانی اور جنھوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا وہ پریشان ہو گئے اور طالوت کے لشکر سے دور ہو گئے کیوں کہ جو اپنے رہبر کی بات مانتا ہے اور اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے وہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔

ارحم: "امام صاحب! اس طرح تو طالوت کے لشکر کے پاس تلواریں بھی کم ہو گی اور جالوت تو بہت زیادہ لوگ، تلواریں اور نیزے لے کر جنگ کے لیے گیا ہو گا۔ وہ تو جیت گیا ہو گا؟"

امام صاحب بچوں کی بے صبری دیکھ کر مسکرا دیے اور کہا" جالوت کے لشکر سے مقابلہ ۳۱۳ لوگوں کا تھا، لیکن وہ اللہ کے چنے ہوئے بہادر لوگ تھے، جب جنگ شروع ہو گئی تو طالوت کے لشکر میں ایک کم عمر سپاہی بھی تھا اس کا نام داؤد تھا۔"

مبین:"امام صاحب! داؤد وہی نہ جن کو خدا نے نبی بنایا تھا، آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی بات کر رہے ہیں جن پر خدا نے اپنی کتاب بھی نازل فرمائی؟"

امام صاحب:"بالکل بیٹا! لیکن اس وقت داؤد علیہ السلام بہت چھوٹے تھے، ان کے پاس کوئی تلوار بھی نہیں تھی، صرف ایک غلیل تھی، انہوں نے ایک پتھر غلیل میں لگا کر جالوت کا نشانہ لیا جو سیدھا اس کی کھوپڑی کو پار کرتا ہوا گزر گیا۔ اس طرح جالوت مارا گیا اس کا سارا لشکر بکھر گیا جس کے نتیجے میں طالوت کے لشکر کو کامیابی حاصل ہوئی۔

بچے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے، احمد نے کہا "تو اس طرح ۳۱۳ نے ہزاروں لوگوں کو ہرا دیا!!!"

امام صاحب:"جی بچو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ

خدا کے حکم سے کئی چھوٹی جماعتیں
بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں

(سورہ بقرہ آیت ۲۴۹)

علی نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔۔۔"امام صاحب! کیا حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے سالار نے کوئی تحفہ نہیں دیا، یعنی ان کی بہادری کو دیکھ کر طالوت نے ان کے لیے کیا فیصلہ کیا؟"

امام صاحب:"پیارے بچو! طالوت نے اس بچے کو یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی سلطنت یعنی حکومت کا حصہ بنالیا اور طالوت کے بعد پھر اللہ نے ان کو اپنا نبی اور جانشین بنایا۔ ان پر کتاب بھی نازل کی، پوری قوم کا ہادی اور رہبر بنا دیا، اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے۔"

محمد جو کہ خاموشی سے سارا قصہ سن رہا تھا کہنے لگا "اسی طرح آج فلسطین کے لوگ جو طاقتور اسرائیل کا مقابلہ کر رہے ہیں کیا یہ بھی غلبہ حاصل کریں گے اور جیت جائیں گے؟"

امام صاحب:"بچو! قرآن مجید کے قصے صرف سننے کے لیے نہیں ہیں۔ اس میں ہر زمانے کے لیے ہدایت ہے۔ وہی سب کچھ آج کے دور میں ہو رہا ہے۔

بنی اسرائیل ظالم حکومت اور ریاست ہے جو فلسطین پر ظلم کر رہا ہے، لیکن فلسطین کے لوگ ۳۱۳ بہادر سپاہیوں کی طرح بہادر اور ہمت والے ہیں۔

ایک دن اسرائیل پر غلبہ حاصل کریں گے اور کامیاب ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ اگرچہ تعداد میں کم ہوں لیکن ہمت اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والے ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کثرت پر غلبہ دے گا اور کامیابی عطا کرے گا۔"

ان شاء اللہ! اللہ کہ حکم سے ایک دن فلسطین بھی ضرور آزاد ہو گا۔

بہادر سپاہی (سید حسن نصر اللہ)

عبد الرحمٰن گاؤں کے ایک چھوٹے سے اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کو سید حسن نصر اللہ سے بہت محبت تھی۔

عبد الرحمٰن اسکول میں بھی زیادہ تر بچوں کو سید حسن نصر اللہ کی بہادری اور دلیری کے قصے سناتے اور بچوں کو مثالیں دیتے۔

دس سال پہلے ان کا بیٹا پیدا ہوا انہوں نے اس کا نام حسن نصر اللہ رکھا وہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا بھی سید کی طرح بہادر اور دلیر ہو۔

28 ستمبر کو صبح اسمبلی میں عبد الرحمٰن نے سب بچوں کو بٹھایا اور سید حسن نصر اللہ کی شہادت کا اعلان کیا۔

سب بچے ایک دفعہ تو پریشان ہو گئے اور حیرت سے اپنے ہیڈ ماسٹر کو دیکھنے لگے، کچھ بچے تو اسی وقت رونا شروع ہو گئے۔

عبد الرحمٰن نے سب کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا "پیارے بچو! سید حسن نصر اللہ شہید ہوئے ہیں اور شہید زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہید ہونے والے کو بہت بڑا مقام دیا ہے کیونکہ شہید کی موت قوم کی حیات ہے یعنی قوموں کو زندہ کرتی ہے۔" بچے بہت غمگین تھے اسمبلی ختم ہوتے ہی سب اپنی اپنی کلاس میں چلے گئے۔

عبد الرحمٰن کا بیٹا حسن آج بہت غمگین تھا جب سے سید کی شہادت کا سنا تھا تب سے حسن خاموش ہو گیا تھا اور چھپ چھپ کر روتا اور اپنے کمرے میں دیواروں پر لگی تصویریں جو حسن نے بہت محبت سے لگائی ہوئی تھی ان کو بار بار دیکھتا۔

حسن نے اپنے کمرے میں ہر جگہ سید نصر اللہ کی وہ تمام تصویریں لگا رکھی تھیں، جب جب وہ خطاب کرتے یا کسی جنگ کے لیے جاتے۔

حسن بھی اپنے بابا کی طرح سید حسن نصر اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ بھی اللہ کی راہ میں جنگ کرے اور دشمنوں کو مارے۔

عبد الرحمٰن نے حسن کو اس حال میں دیکھا کہ آج حسن خاموش خاموش ہے اور کوئی بات بھی نہیں کر رہا۔ یہ دیکھ کر عبد الرحمٰن شام کو خود حسن کے کمرے میں آ گئے۔

حسن: بابا کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا "بابا! سید حسن نصر اللہ شہید ہو گئے ہیں؟ مجھے ان سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ وہ کہاں رہتے تھے؟ اب تو میں ان سے مل بھی نہیں سکتا؟"

عبد الرحمٰن: "بیٹا! سید حسن نصر اللہ لبنان میں رہتے تھے اور وہیں پیدا ہوئے انہوں نے دین کی تعلیم ایران میں حاصل کی۔"

حسن: "بابا! کیا سید چھوٹے سے تھے جب سے جنگ کرنا شروع کر دی یا بڑے ہو گئے تھے؟"

عبد الرحمٰن: "نہیں بیٹا! سید کی عمر جب ۲۲ سال کی تھی، اس وقت اسرائیل نے پہلا حملہ کیا اس وقت سید حزب اللہ میں شامل ہوئے۔"

حسن: "بابا! حزب اللہ کا کیا مطلب ہے کیا یہ کسی کا نام ہے؟"

عبد الرحمٰن: حزب اللہ کا مطلب ہے "اللہ کا لشکر" جو لوگ لشکر اور گروہ کی شکل میں جمع ہو کر کافروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں کو مارتے ہیں اس کو "حزب اللہ" کہتے ہیں۔

حسن جوش میں اپنی جگہ سے اٹھا اور بابا کے سامنے کھڑا ہو گیا "بابا! میں بھی حزب اللہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں، میں بھی کافروں اور تمام بُرے لوگوں کو ماروں گا۔ جس نے سید کو شہید کیا میں اس کو بھی مار دوں گا۔

(حسن نے بہادری سے مکا بنا کر اشارہ کیا)۔

عبد الرحمٰن بیٹے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دل ہی دل میں فخر کرنے لگے کہ میں نے جس وجہ سے اس کا نام حسن نصر اللہ رکھا ہے اسی طرح وہ سید کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔

حسن: "بابا! پھر سید کس طرح بڑے لیڈر بن گئے؟ کیا انہوں نے زیادہ کافروں کو مارا تھا اس لیے؟

عبد الرحمٰن: (بیٹے کی معصومیت پر مسکرا دیے) "بیٹا! سید نے دس سال حزب اللہ کے لشکر میں کام کیا ان کے بہادری اور دلیری کو دیکھ کر جب ان کے بڑے لیڈر عباس الموسوی شہید ہو گئے تو ان کی جگہ سید حسن نصر اللہ کو لیڈر بنایا گیا۔ اسی طرح پھر جب بھی دشمن ملک اسرائیل، مسلمانوں کو تنگ کرتا اور مسلمانوں کو مارتا وہاں سب سے پہلے سید کا لشکر ان سے مقابلے کے لیے آگے ہوتا۔"

حسن: "پھر تو دشمن ملک ان سے ڈر جاتا ہو گا" لیکن پھر کچھ سوچتے ہوئے حسن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا "پھر سید شہید کیسے ہو گئے؟ اب دشمنوں کا مقابلہ کون کرے گا؟

عبد الرحمٰن نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور کہا: "بیٹا! دشمن ملک اسرائیل سید سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ جب سے اسرائیل نے فلسطین کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے، سید نے جواب میں بہت سارے کافروں کو مارا ہے۔ اب اسرائیل چاہتا تھا کہ کسی طرح سے سید کو شہید کرے تاکہ وہ ان کے راستے میں نہ آئیں۔"

"دشمن نے موقع دیکھ کر ان پر حملہ کیا اور وہ اور ان کے بہت سارے ساتھی شہید ہو گئے۔"

"لیکن بیٹا! اس میں پریشان ہونے والی بات نہیں ہے اللہ نے سید کو بہت بڑا مقام دیا ہے کیونکہ شہید کی موت قوم کی حیات ہے۔"

"شہید مرتا نہیں ہے وہ زندہ ہوتا ہے، بس وہ اس دنیا میں نہیں ہوتا، خدا نے ان کی جگہ اور بہادر اور دلیر لیڈر پیدا کیے ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کو دشمنوں سے بچاتے رہیں گے۔"

حسن :"بابا میں بھی حزب اللہ میں شامل ہونا چاہتا ہوں اور سید حسن نصر اللہ کی طرح دشمنوں کا مقابلہ کروں گا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان بھی دے دوں گا۔"

عبدالرحمٰن بیٹے کو دعا دے کر اور سمجھا کر اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلے گئے۔

رات میں حسن نے سید حسن نصراللہ کی محبت میں ایک نظم لکھی اور پھر وہ سو گیا۔

اگلے دن صبح اسمبلی کے اختتام پر حسن کو بلایا گیا تا کہ حسن اپنی نظم پیش کر سکیں۔

حسن:"شہید سید حسن نصراللہ کی خدمت میں تحفہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔۔۔"

شہید زندہ ہے
شہید زندہ ہے
دیں نے ہمیں سکھایا ہے
جس نے قرآن بچایا ہے
مرتے نہیں وہ آخر تک
کیونکہ شہید زندہ ہے
عظیم شہید حسن نصراللہ
عزت شرف کے بانی ہیں
ظالم پر وار کرو
طاقت سے ان کی تم نہ ڈرو
شہید نے یہ بتایا ہے
کیونکہ شہید زندہ ہے
مظلوموں کے حامی بنو
ظالم سے ہرگز نہ ڈرو
شہادت یہ بتلاتی ہے
کیونکہ شہید زندہ ہے
جو ہے امریکہ اور اسرائیل
یہ شیطان کے بھائی ہیں
راہ سے یہ بھٹکاتے ہیں
ظلم و جبر یہ کرتے ہیں
ان سے تم ہرگز نہ ڈرو
کیونکہ شہید زندہ ہے
ایک دن ایسا ائے گا
ہمارا آقا مہدیؑ آئے گا
ان سب کو وہ بتائے گا
ظلم بھی ختم ہو جائے گا
میں بھی بنوں گا ان کا سپاہی
خدایا مجھ کو توفیق دے
ظالموں کو میں ختم کروں
سید کے راستے پر چلوں
شہادت کو لبیک کہوں
کیونکہ شہید زندہ ہے
کیونکہ شہید زندہ ہے۔۔۔۔

عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے اس دعا پر اسمبلی کو ختم کیا۔ "اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہیدوں کے راستے پر چلائے اور امامؑ کے سپاہیوں میں قرار دے۔"

Avialable At: kids.mashrabenaab.com
Contact: 0341-9437476